Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

Received: 11th February, 2026 | Accepted: 18th June, 2026 | Available Online: 30th June, 2026
Digital Object Identifier: 10.52015/daryaft.v18i01.443

علامہ اقبال کا نظریۂ شعر: مقصدیت، خودی اور حیاتِ انسانی

Allama Iqbal's Theory of Poetry: Purposefulness, Selfhood and Human Life

DR. TALIB HUSSAIN HASHMI[1] AND ASIA PARVEEN[2]
[1] Post Doctoral Scholar, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad, Pakistan
[2] Ph.D. Urdu Scholar, Department of Urdu, Al-hamd Islamic University, Islamabad, Pakistan
Corresponding author: Dr. Talib Hussain Hashmi (talib.hashmi@gmail.com)

CONFLICT OF INTEREST: The authors declare that there are no conflicts of interest related to the research, authorship, and/or publication of this article, and that the data presented have not been fabricated or falsified.

FUNDING: This research did not receive any specific grant or financial support from public, commercial, or not-for profit funding agencies.

PARTICIPANT CONSENT: The authors confirm that Informed consent was obtained from all participants, and confidentiality was duly maintained.

KEYWORDS: Iqbal, Theory of Poetry, Khudi, Purposefulness, Art for Life, Human Life, Islamic Thought, Ethical Aesthetics, Poetic Philosophy, Dynamism and Action

ABSTRACT: Allama Muhammad Iqbal's theory of poetry presents a purposeful vision in which poetic expression is closely linked with life, action, and moral consciousness. Rejecting the doctrine of "art for art's sake," Iqbal conceives poetry as a dynamic force that cultivates selfhood, awakens collective awareness, and inspires social transformation. This study examines his theory within its broader philosophical and religious framework, with particular emphasis on purposefulness, self-realization, and ethical reconstruction. For Iqbal, poetry is not merely a source of aesthetic pleasure but a powerful medium for shaping thought, character, and destiny. Authentic poetry encourages struggle, creativity, and constructive action while resisting stagnation, imitation, and escapism. Rooted in a Quranic worldview, his poetic philosophy positions art as an instrument of life that strengthens moral values, spiritual vitality, and intellectual freedom.
Central to this vision is the concept of selfhood, through which individuals and communities achieve dignity and the capacity for transformative action. The study concludes that Iqbal's theory offers a comprehensive model of purposeful art that remains relevant to contemporary debates on meaning, identity, and cultural stagnation.

OPEN ACCESS | CC BY NC
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-Non Commercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

برصغیر کی فکری وادبی تاریخ میں علامہ محمد اقبال کا نام ایک ایسی درخشندہ حقیقت کے طور پر ثبت ہے جس نے شاعری کو محض ذوقِ جمال، تفریحِ طبع یا تخیلاتی تسکین کا وسیلہ نہیں رہنے دیا، بلکہ اسے حیاتِ انسانی کی تعمیر، شعورِ ملت کی بیداری اور ارتقائے

آدمیت کا مؤثر ترین سرچشمہ بنا دیا۔ اقبال کے نزدیک شعر کوئی جامد صناعی، لفظی طلسم یا نغمۂ بے مقصد نہیں، بلکہ ایک زندہ، متحرک اور انقلابی قوّت ہے جو انسان کے باطن میں پوشیدہ امکانات کو بیدار کر کے اُسے عرفانِ ذات، احساسِ کائنات اور ادراکِ حقیقت کی بلند ترین منزلوں تک پہنچاتی ہے۔ اُن کا نظریۂ شعر دراصل اُن کے وسیع تر فلسفۂ حیات ہی کا جمالیاتی اظہار ہے، جس میں مقصدیت، خودی اور حیاتِ انسانی باہم اس طور مربوط ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔

علامہ محمد اقبال اس حقیقت کے قائل ہیں کہ وہ شاعری جو انسان کے ارادے کو مضمحل، اُس کی روح کو خواب آلود اور اُس کے شعور کو بے سمت کر دے، اپنے حقیقی جوہر سے محروم ہے۔ اُن کے نزدیک شعر کی اصل عظمت اس کی اثر آفرینی، رُوح انگیزی اور تعمیرِ انسانیت میں مضمر ہے۔ یہی سبب ہے کہ اقبال نے فن کو زندگی سے الگ کوئی مجرد اور خُود مختار شے تسلیم نہیں کیا، بلکہ اسے حیاتِ انسانی کی تپش، جدوجہد اور ارتقائی حرکیات سے وابستہ رکھا۔ اُن کے ہاں شاعر ایک حساس نغمہ گر ہی نہیں، بلکہ ایک دیدہ وَر مفکر، ملت کا راہ نما اور اِنسانی شعور کا معمار بھی ہے، جو اپنے الفاظ کے ذریعے قوموں کے مقدر بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فلسفۂ خودی اقبال کے نظریۂ شعر کا مرکزی ستون ہے۔ خُودی اُن کے نزدیک محض فرد کی انانیت یا نفسانی برتری کا نام نہیں، بلکہ وہ نُورانی قوّت ہے جو انسان کو اپنی داخلی عظمت، روحانی امکانات اور خدائی امانت کے شعور سے آشنا کرتی ہے۔ اقبال کی شاعری اسی خودی کی تربیت، استحکام اور تکمیل کا وسیلہ بنتی ہے۔ اُن کے اشعار انسان کے اندر پوشیدہ قوتِ عمل کو بیدار کرتے، احساسِ زوال کو مٹاتے اور اُسے تسخیرِ کائنات کے ولولے سے ہم کنار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک حقیقی شاعر وہ ہے جو انسان میں جرأتِ کردار، حرارتِ یقین اور عظمتِ فکر پیدا کرے۔ اسی طرح حیاتِ انسانی کا تصور بھی اقبال کے شعری نظریے میں نہایت بُنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اُن کے نزدیک زندگی سکون، جمود اور فرار کا نام نہیں، بلکہ مسلسل حرکت، تخلیق، جستجو اور عملِ پیہم کا استعارہ ہے۔ اقبال کی شاعری انسان کو تقدیر کے سامنے سپَر انداز ہونے کے بجائے اپنی قُوتِ ارادی سے جہانِ نَو کی تشکیل کا پیغام دیتی ہے۔ وہ انسان کو خاک کا پُتلا نہیں، بلکہ ایک ایسی زندہ اور متحرک ہستی قرار دیتے ہیں جس کے اندر کائنات کو مُسخر کرنے اور تاریخ کا دھارا موڑ دینے کی صلاحیت موجود ہے۔

اقبال کی شاعری اِسلامی فکر، قرآنی بصیرت اور تاریخی شعور سے گہرا ربط رکھتی ہے، جہاں شعر ایک فکری ہتھیار، اَخلاقی رہنما اور تہذیبی محرک کے طور پر اُبھرتا ہے۔ وہ شاعر کو محض نغمہ سرا نہیں بلکہ قوموں کے شعور کو بیدار کرنے والا رہبر تصور کرتے ہیں۔ اس مقالے میں علامہ اقبال کے نظریۂ شعر کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا، جس میں مقصدیت، خودی اور حیاتِ انسانی کے باہمی تعلق کو نمایاں کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ اقبال کے نزدیک شعر کس طرح فرد، معاشرہ اور انسانیت کی فکری و اخلاقی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ دنیا کے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی فنی مہارت یا صلاحت ضرور موجود ہوتی ہے اور انسان اپنی تخلیقی صلاحیت کے ذریعے اسے ظاہر کرتا ہے، لیکن بعض اوقات ہر کسی کو اس کے اظہار کا مناسب موقع نہیں ملتا۔ ادبی میدان میں یہ حقیقت اور بھی زیادہ نمایاں ہے، جہاں ایک ادیب، شاعر یا محقق اپنے فن کا اظہار مختلف زاویوں سے کرتا ہے اور ہر شاعر یا

ادیب کے اپنے نظریات اور تصورات ہوتے ہیں، جو اصطلاحات اور اظہار کے ذریعے ادب میں اضافہ کرتے ہیں۔ ادب اِنسانی شعور کا آئینہ اور تہذیبی ارتقا کا مؤثر ذریعہ رہا ہے مگر ہر دور میں اس کی حیثیت اور مقصد کے تعین پر سنجیدہ فکری مباحث جاری رہے ہیں۔

علامہ اقبال کا نظریۂ شعر مقصدیت، خودی اور زندگی کے عملی شعور پر قائم ہے۔ وہ شاعری برائے شاعری اور فن برائے فن کے تصورات کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور اس نظریے کی تردید کرتے ہیں جو ادب کو زندگی کے حقیقی مسائل سے کاٹ کر محض جمالیاتی لذت کا سامان بنا دے۔ اقبال کے نزدیک شعر وہی ہے جو انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ دے، فکر کو جِلا بخشے، ارادے میں استحکام پیدا کرے اور فرد و ملت میں حرکت، عمل اور خود آگہی کی رُوح پھونک دے۔ اسی تناظر میں ان کا تصورِ خودی انسانی وقار، تخلیقی قوت اور روحانی بالیدگی کا سرچشمہ بن کر سامنے آتا ہے۔

علامہ اقبال ایک مُمتاز مفکر، فلسفی شاعر، قوم کے مُصلح اور نظریہ ساز شخصیت ہیں۔ اُن کی شاعری اور فلسفیانہ فکر کی بنیاد پر انفرادیت آج بھی قائم ہے۔ اُن کی تخلیقی عظمت، جمالیاتی حساسیت اور فنی مہارت ہر پہلو سے محسوس کی جاسکتی ہے۔ علامہ اقبال نے مختلف نظریات اور تصورات پیش کیے اور وہ ہر اس تحریک یا فرد سے ناپسندیدگی رکھتے تھے جو انسانوں کے اَفکار اور ذہنوں میں جمود اور رکاوٹ پیدا کرتا ہو۔ ان کی شاعری کا بنیادی مقصد انسان میں تحرک، جدوجہد اور عمل کی قُوت پیدا کرنا ہے۔

اقبال کے نزدیک ہر فن یا ہنر کی اصل اہمیت اس کی زندگی بخش خصوصیات میں ہے۔ فن صرف شکل وصورت یا ظاہری مہارت کا نام نہیں بلکہ یہ انسانی زندگی کی ترقی اور اَخلاقی وفِکری تربیت کا وسیلہ ہونا چاہیے۔ ان کے نظریہ میں فنون لطیفہ میں ہمت، ذوقِ عمل اور مقصدیت شامل ہونی چاہیے، ورنہ یہ محض دکھاوے کے برابر رہ جاتے ہیں۔ علامہ اقبال فنون لطیفہ کی طاقت وافادیت کو بخوبی سمجھتے تھے اور اسے زندگی کی رہنمائی، شعور کی بیداری اور انسانی افکار کی نشوونما کے لیے استعمال کرنے پر زور دیتے تھے۔ چناں چہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "میرا عقیدہ ہے کہ فنونِ لطیفہ چاہے وہ ادب ہو، شاعری ہو، مصوری ہو، موسیقی یا فنِ تعمیر ہر ایک انسانی زندگی کا مددگار اور خدمت گزار ہے۔ اسی بنا پر میں آرٹ کو ایجاد واختراع سمجھتا ہوں نہ کہ محض آلہ تفریح۔"(۱)

علامہ اقبال کی شاعری دراصل "خودی" اور "زندگی" کے عظیم فلسفے پر مبنی ہے، جو انسان کو اس کی حقیقی پہچان اور داخلی قوت سے آگاہ کرتی ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی محض ایک نفسیاتی تصور نہیں بلکہ ایک ایسی روحانی اور فکری طاقت ہے جو انسان کو کمزوری، جمود اور غلامی سے نجات دلا کر عروج وبلندی کی طرف لے جاتی ہے۔ ان کی شاعری ملتِ اسلامیہ کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور اسے عملی جدوجہد، جرات مندی اور خُود اعتمادی کی راہ دکھانے کا ذریعہ ہے۔ وہ زندگی کو محض گزارنے کا نام نہیں دیتے بلکہ اسے مسلسل حرکت، ارتقا اور تخلیقی عمل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس طرح اقبال کا پیغام ایک زندہ اور متحرک اُمت کی تشکیل کا تصور پیش کرتا ہے جو اپنی خودی کو پہچان کر دنیا میں عزت ووقار کے ساتھ اپنا مقام حاصل کر سکتی ہے۔

یہ مختصر مگر نہایت معنی خیز جملہ دراصل اقبال کی پوری شاعری اور فکری جہت کا نچوڑ ہے۔ اقبال کا کلام محض حسنِ بیان، تخیل آفرینی یا جذباتی وارفتگی کا مظہر نہیں، بلکہ ایک ہمہ گیر پیغامِ حیات ہے۔ اُن کی شاعری انسان کو خوابِ غفلت سے جگانے، اُسے اپنی ذات کی معرفت عطا کرنے اور زندگی کی حقیقی معنویت سے آشنا کرنے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اقبال نے شعر کو تفریحِ طبع کے بجائے بیداریِ شعور، تعمیرِ شخصیت اور احیائے ملت کا وسیلہ بنایا۔ اُن کے ہاں ہر نظم، ہر استعارہ اور ہر علامت کے پس منظر میں ایک زندہ مقصد کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی شاعری میں عشق، خودی، حرکت، حریت، فقر اور شاہین جیسے تصورات محض شعری پیکر نہیں، بلکہ عملی زندگی کے متحرک اور انقلابی پیغامات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کا کلام انسان کو جمود، مایوسی اور غلامی سے نکال کر عمل، یقین اور خود اعتمادی کی دنیا میں داخل کرتا ہے۔

اقبال کے نزدیک شاعری محض ذاتی لُطف کا ذریعہ نہیں، بلکہ یہ انسان کی خودی کو بیدار کرنے اور بلند مقصد کی جانب راہنمائی کرنے کا ایک طاقتور ہتھیار تھی۔ ان کے اشعار نہ صرف فِکر و تدبر کی دعوت دیتے ہیں بلکہ عمل اور جرات کی ترغیب بھی دیتے ہیں، یعنی شاعری ان کے لیے ایک ذریعہ تھی، مقصد نہیں۔ چناں چہ وہ خود ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

پردۂ تو از نوائے شاعری است
آنچہ گوئی ماور اے شاعری است![۲]

ترجمہ: شاعری تمہارا پردہ ہے، ورنہ جو تم بیان کرتے ہو وہ شاعری کی حدود سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اصل مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں وہی ملی شعور اور اجتماعی بیداری پیدا کی جائے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی پہچان تھی۔ یعنی لوگوں کے اندر فِکری انقلاب آئے، انہیں اپنی تہذیب، تاریخ اور اَقدار کا اَدراک ہو اور وہ ہر وقت اپنے مفید اور سُود مند خیالات کو ظاہر کرنے اور پھیلانے کی کوشش میں مصروف رہیں۔ اِقبال کی حقیقی شاعری دِل کی گہرائیوں کی عکاس ہے۔ ہر شاعر کا ایک مرکزی نظریۂ شعر ہوتا ہے جو اس کی پوری تخلیق پر غالب رہتا ہے۔ اقبال کا نظریۂ شعر نہ صرف فکر و خیال کی عکاسی کرتا ہے بلکہ انسان کی خودی اور بیداری کی تربیت کا وسیلہ بھی ہے۔ علامہ اقبال نظریۂ شعر کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

نہ زباں کوئی غزل کی، نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دِلکُشا صدا ہو، عجمی ہو یا کہ تازی
کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خُوئے دل نوازی[۳]

یعنی جب شاعر اپنے خیالات کو شعری سانچوں اور قالبوں میں ڈھالتا ہے تو ایک عجب کیف و سرور کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے اور پھر وہ دلکش اور موزوں حروف واَصوات کی ترتیب سے شعری الفاظ واصطلاحات تخلیق کرتا ہے۔ غالب کے مطابق یہ الفاظ واَصوات کا مجموعہ دراصل "معانی کا طلسم شدہ خزانہ" ہوتا ہے۔ پروفیسر عبد المغنی رقم طراز ہیں:

> "اقبال کی عظیم شاعری نے اُردو ادب میں تفکر و تخلیق کی ایک نئی روشنی بکھیر دی، جہاں اخلاقیات اور جمالیات کی ہم آہنگی کے ساتھ فکر و فن کی کامل پیوستگی اور ترقی ممکن ہوئی۔ مگر افسوس کہ اُردو تنقید اب تک اس شاعری کی پوری تشریح اور حقیقی قدر شناسی کرنے میں ناکام رہی ہے، یعنی اقبال کے فکری اور ادبی کارناموں کی وسعت اور اثر کو مکمل طور پر اجاگر نہیں کیا جا سکا۔ "[۴]

اِقبال کا شعری نظریہ فکری ماورائیت کے پیغام کی عکاسی کرتا ہے اور ان کے نزدیک شعر ہمیشہ مقصدیت کے تابع ہوتا ہے۔ وہ شاعری کو زندگی کی رہنمائی اور عملی بیداری کا وسیلہ مانتے تھے، نہ کہ محض تخلیقی مشغولیت کے لیے۔ ان کی شاعری اجتہادی تھی جس میں حرکت، جدوجہد اور تلاش کا عنصر نُمایاں ہے۔ سُکون وثبات ان کے ہاں کم دکھائی دیتا ہے کیوں کہ خُود وہ ایک متحرک اور جستجو پذیر شاعر تھے، ہمیشہ دریافت اور آگے بڑھنے کے خواہاں۔ ڈاکٹر وحید عشرت "تجدیدِ فکریاتِ اسلامی" میں یوں لکھتے ہیں:۔

> "میری باطنی زندگی میں سکون یا سکوت کا کوئی وجود نہیں، سب کچھ مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔ میرے احساسات اور جذبات ایک نہ رکنے والے بہاؤ کی مانند ہیں، جس میں کوئی ٹھہراؤ یا آرام نہیں پایا جاتا۔ البتہ، یہ مسلسل بہاؤ وقت کے بغیر ممکن نہیں۔ ہماری اندرونی تجربات کی فطرت مرکز سے باہر کی طرف رواں رہتی ہے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حرکت دو پہلو رکھتی ہے: ایک بصیرت والا اور دوسرا فعال۔ "[۵]

یہ دو پہلو ہماری باطنی دنیا کی مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔ بصیرت والا رُخ ہمیں اپنے اندر کی گہرائیوں میں جھانکنے اور حقیقت کو سمجھنے کی طاقت دیتا ہے، جب کہ فعال رُخ ہمیں اپنے خیالات اور احساسات کو عمل میں ڈھالنے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اظہار کرنے کی تحریک دیتا ہے۔ یہی مسلسل تعامل اور توازن ہماری شخصیت کو مکمل اور متحرک بناتا ہے۔ باطنی حرکت کا یہ سلسلہ کبھی رکنے والا نہیں، کیوں کہ ہر لمحہ نیا تجربہ، نیا جذبہ اور نئی فکر لے کر آتا ہے۔ اور یہی ہم پر یہ واضح کرتا ہے کہ زندگی صرف قیام و قرار کی جگہ نہیں، بلکہ ایک مسلسل سفر ہے، جس میں ہر لمحہ بصیرت اور عمل کے درمیان توازن پیدا کرتا ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک شاعر محض الفاظ و معانی کا ساحر، قافیوں کا صنّاع یا تخیلاتی لطافتوں کا نغمہ گر نہیں، بلکہ وہ ملت کے اجتماعی شعور کا امین، قوم کے ضمیر کی آواز اور حیاتِ انسانی کی مخفی توانائیوں کا بیدار کُنندہ ہوتا ہے۔ اقبال شاعر کو ایک ایسی بصیرت افروز اور عہد آفریں شخصیت کے طور پر دیکھتے ہیں جو اپنے فِکر و فن کے ذریعے نہ صرف قوم کے منتشر احساسات کو وحدت عطا کرتی ہے، بلکہ اُس کے اندر حرارتِ عمل، ولولۂ یقین اور جذبۂ حریت بھی پیدا کرتی ہے۔ اُن کے نزدیک شاعری اگر ملت کے احیا، تعمیرِ انسانیت اور بیداریِ شعور کا فریضہ انجام نہ دے تو وہ محض لفظی صناعی اور ذہنی عیاشی بن کر رہ جاتی ہے۔

اقبال اس امر پر نہایت شدت کے ساتھ زور دیتے ہیں کہ کسی قوم کی حقیقی زندگی اُس وقت برقرار رہتی ہے جب اُس کے اندر ایسے صاحبانِ فکر و نظر موجود ہوں جو اُس کے اجتماعی وجدان کی ترجمانی کر سکیں۔ اگر کوئی ملت ایسے شاعر اور مفکر سے محروم ہو

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

جائے جو اُس کی روحانی قدروں، تاریخی شعور اور اجتماعی نصب العین کی حفاظت کرتے ہوئے اُسے حرکت وارتقا کی راہوں پر گامزن رکھے، تو وہ قوم رفتہ رفتہ جمود، بے حسی اور فکری زوال کا شکار ہو کر محض خاک کا بے جان تودہ بن جاتی ہے۔ ایسی ملت کے افراد اگرچہ ظاہری طور پر زندہ دکھائی دیتے ہیں، مگر اُن کے اندر حیات آفریں ولولہ، خود آگاہی اور مقصدِ حیات کا شعور مفقود ہو جاتا ہے۔

اقبال کے نزدیک شاعر دراصل ملت کا نباض ہوتا ہے۔ وہ قوم کے باطن میں پوشیدہ اِضطراب، محرومی، آرزو اور امکانات کو محسوس کرتا اور پھر اپنے آتشیں کلام کے ذریعے اُس کے مردہ احساسات میں زندگی کی نئی رمق پیدا کرتا ہے۔ اُس کی شاعری قوم کو غفلت کی تاریکیوں سے نکال کر خود شناسی، عمل آفرینی اور حریتِ فکر کی روشن شاہراہ پر گامزن کرتی ہے۔ شاعر ملت کو اُس کی عظمتِ رفتہ یاد دلاتا، اُس کے حال کی پستیوں کا شعور بخشتا اور اُسے مستقبل کی تعمیر کے لیے آمادہ کرتا ہے۔

اسی لیے اقبال کے ہاں شاعر محض ایک ادیب نہیں، بلکہ ایک عہد ساز مفکر، روحانی راہ نما اور اجتماعی انقلاب کا محرک بن جاتا ہے۔ اُس کے الفاظ میں ایسی تاثیر اور حرارت ہوتی ہے جو قوموں کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کر کے اُنہیں عمل، جستجو اور تخلیق کے نئے آفاق سے آشنا کر دیتی ہے۔ اقبال کی نگاہ میں وہی شاعری زندہ اور مؤثر ہے جو انسان کو بے عملی، غلامی اور مایوسی سے نکال کر خودی، یقین اور مسلسل جدوجہد کا پیغام دے، تاکہ ملت ایک بار پھر زندہ، متحرک، باوقار اور باشعور اجتماعی وجود کے طور پر دنیا میں اپنا مقام پیدا کر سکے۔

اقبال کے نزدیک شاعر صرف الفاظ کا ماہر نہیں بلکہ ملت کا رہنما اور تحریک کا ذریعہ ہوتا ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اگر کسی قوم میں ایسا شاعر نہ ہو جو اس کی بقاء اور عظمت کے لیے جدوجہد کرے، تو وہ قوم مٹی کے ڈھیر کی مانند ہو جاتی ہے، جس میں زندگی اور جذبہ معدوم ہو جاتا ہے۔ شاعر وہ شخصیت ہے جو قوم کی رُوح کو پہچانتی ہے، اس کے احساسات کو بیدار کرتی ہے اور اُسے حرکت اور جدوجہد کی طرف مائل کرتی ہے، تاکہ ملت اپنی عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کر سکے اور ایک زندہ، متحرک اور باشعور قوم کے طور پر موجود رہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اقبال نے افلاطون، شبلی، مولانا حالی اور غالب جیسے ادیبوں اور مفکرین سے علمی اور فکری فیض حاصل کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے نظریۂ ادب وشعر کی بنیاد قرآن وسنت پر مضبوطی سے قائم تھی۔ اقبال کے نزدیک شاعر وہ ہونا چاہیے جس کی شاعری اور افکار قوم کی زندگی میں نئی توانائی اور نئی روح پھونکیں۔ ایسا شاعر مردہ وبے جان روح کو بھی زندہ کرنے کی قوت رکھتا ہو، اور اس کی تخلیقات سکون کی بجائے تحریک اور عمل کی جستجو پیدا کریں۔ اس کے خیال میں شاعری کا مقصد محض ذاتی اظہار نہیں، بلکہ ملت کی بیداری اور حرکت کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ علامہ اقبال پر رقم طراز ہیں:

> "شاعر اپنی تخلیقی صلاحیت اور خیال کی طاقت سے قوموں کی زندگی میں نئی جان اور روح پھونکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں شعرا کی رہنمائی اور بصیرت کی بدولت وجود پاتی ہیں، جب کہ صرف اہلِ سیاست کی محنت وکوشش کے بغیر وہ نشوونما پا کر بھی اپنی زندگی کو برقرار نہیں رکھ پاتیں۔ اسی لیے میری خواہش ہے کہ افغانستان کے شعرا اور انشاپرداز اپنے ہم عصروں میں ایسی

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

بصیرت اور تحریک پیدا کریں جو انہیں اپنی شناخت، اپنی طاقت اور اپنی ثقافتی عظمت کا شعور عطا کرے۔"(٦)

اقبال کے مطابق شعر وہ ہونا چاہیے جو انسان کے ضمیر میں شعور واحساس پیدا کرے، اَفکار وخیالات کو پاکیزگی عطا کرے، سوچنے اور سمجھنے کی قوت کو بڑھائے اور فکری و عملی طاقت میں اضافہ کرے۔ اس کے ذریعے انسان میں بے یقینی اور غلامانہ ذہنیت کا خاتمہ ممکن ہو۔ اقبال اپنے نظریہ ٔشعر کی اہمیت کو نظم "شعر "میں یوں بیان کرتے ہیں:

میں شعر کے اَسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے، تاریخِ اُمم جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ اَبدی ہے
یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل!(٧)

میں شعر یا شاعری کے تمام اَسرار و رموز سے مکمل طور پر واقف نہیں ہوں، لیکن اتنی سمجھ ضرور ہے کہ شعر ایک نقطہ ہے اور قوموں کی زندگی اس نقطے کی وضاحت اور تشریح۔ اقبال ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کی تصدیق ہم قوموں کی تاریخ سے بخوبی کرسکتے ہیں یعنی شاعر اور اس کی شاعری قوم کی روح، اس کی بقا اور اس کی عظمت میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک وہ شاعری جو واقعی حیات جاوید کا پیغام دیتی ہے، یا تو نغمۂ جبریل کی مانند ہے یا بانگِ اسرافیل کی طرح۔ نغمۂ جبریلؑ کی طرح یہ شاعری اَخلاق اور کردار میں پاکیزگی پیدا کرتی ہے اور مُردہ قوموں میں زندگی کی نئی روح پھونک دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح بانگِ اسرافیلؑ کی طرح یہ مردہ دلوں اور دل کی سستی کو زندگی بخشتا ہے۔ جو شاعری قوموں کو زندہ کرتی ہے، انہیں سربلند کرتی ہے اور ان میں نیکی، اخلاص اور عمل صالح کی ترغیب پیدا کرتی ہے، وہی نغمۂ جبریل یا بانگِ اسرافیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اقبال کے نزدیک شعر وادب خدا کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم ہتھیار اور تحفہ ہے، جس کے ذریعے اَفکار، خیالات اور معاشرت میں انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ وہ بلند خیال شاعر تھے اور اُن کے نزدیک ایسی شاعری کی کوئی قدر نہیں جو ماحول اور انسانی دلوں کو گرم نہ کرے، جو بہار کی ہوا چمن میں نہ لاسکے۔ ان کے نزدیک حقیقی شعر وہ ہے جس سے حقیقتیں آشکار ہوں، دِلوں میں طوفان اُٹھے اور سماجی اور اَخلاقی زندگی میں تحریک پیدا ہو۔ شاعری محض خوشنمائی یا محافل میں گانے کے لیے نہیں، بلکہ اس سے فکر، عمل اور جدوجہد کی قوت پیدا ہونی چاہیے۔ اسی مفہوم کو اُنھوں نے ایک نظم "فنونِ لطیفہ "میں یوں بیان کیا:

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خُوب ہے لیکن
جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا
مقصودِ ہُنَر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نَفَس یا دو نفس مثلِ شَرر کیا
جس سے دلِ دریا مُتلاطم نہیں ہوتا

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا، وہ گُہر کیا
شاعر کی نَوا ہو کہ مُغَنی کا نَفَس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحَر کیا
بے معجزہ دُنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہُنر کیا!(۸)

پیامِ اقبال کے پیشِ نظر شعر، فنونِ لطیفہ، رقص اور سرود بھی زندگی اور خودی کے تابع ہونے چاہئیں۔ اقبال نے خُودی کے تصور میں بے پناہ وسعت پیدا کی اور اسے سمجھنے اور سمجھانے کے کئی راستے واضح کیے۔ ان کے نزدیک خودی کا مطلب صرف نفس کی پہچان نہیں، بلکہ ذوقِ عمل، قوتِ تسخیر، سخت کوشی اور خطرات قبول کرنے کی صلاحیت بھی ہے۔یعنی تمام فنون اور ہنر اس وقت مکمل اثر رکھتے ہیں جب وہ زندگی اور خودی کی راہ میں معاون ہوں۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری کو اپنے دل کے ٹوٹے ہوئے احساسات اور درد کے نالے سے تعبیر کیا، گویا ان کا کلام حقیقی معنوں میں دل کی آواز ہے۔ اسی لیے وہ خود اپنی شاعری میں یوں کہتے ہیں:

مرے اشعار اے اقبالؔ! کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں(۹)

یہ شعر اقبال کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ایک صدائے درد ہے، جو نہ صرف ان کے ذاتی احساسات کی عکاسی کرتا ہے بلکہ انسانی جذبے اور وجود کی حقیقت کو بھی بیان کرتا ہے۔ اقبال یہاں اپنے اشعار کو محض لفظوں یا حسنِ اظہار کے لیے نہیں دیتے، بلکہ انہیں اپنے دل کے ٹوٹے ہوئے حصوں کی آواز، جذبات کی کڑوی حقیقت اور تجربات کی روشنی قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ہر مصرع میں زندگی کی شدت، احساسِ خودی اور فکر و عمل کی جُستجو نمایاں ہے۔

وہ فلسفی اور نقاد جو اقبال کو زیادہ شاعر کے بجائے فلسفی سمجھنے پر یقین رکھتے ہیں، ان کے لیے مذکورہ شعر ایک روشن جواب ہے۔ اقبال کے نزدیک فلسفہ محض دماغی سوچ کا نام نہیں، بلکہ دل اور رُوح سے بھی وابستہ ہے۔ ان کے کلام میں فلسفیانہ گہرائی واضح طور پر نظر آتی ہے؛ ان کے افکار اور بصیرت افروز خیالات ہر شعر میں جھلکتے ہیں۔ اقبال نے یہ بات محض جوانی کے جوش وجذبے کے تحت نہیں کہی، بلکہ پوری شعوری سوچ، غور وفکر اور تدبر کے بعد اپنے خیالات کو الفاظ کا روپ دیا۔ اُنھوں نے اندھیرے میں تیر آزمایا نہیں، بلکہ شعوری حکمت کے ساتھ اپنے ہدف کو پہچانا اور اس پر عمل پیرا ہوئے، جس کے اثرات قوم پر بھی نمایاں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اقبال کے کلام میں بیان کیے گئے افکار اور تصورات کی قدر و پذیرائی قائم ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں اُسلوب اور لفظوں کی چمک سے زیادہ، مطالب اور معانی کی گہرائی پر توجہ دی ہے۔ وہ دیگر شعرا کی طرح اپنے اشعار کو محض فنی تزئین یا جامِ شعر میں گھمانے کے بجائے، اپنی قوم کو دعوتِ عمل دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک جگہ انھوں نے فرمایا:

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خودبخود کرتی ہے لالہ کی حِنا بندی(۱۰)

جب اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے، تو ان کے بیٹے جاوید اقبال نے لاہور سے ایک خط لکھا اور گراموفون لانے کی درخواست کی۔ چونکہ جاوید اقبال اس وقت ابھی بچے ہی تھے، اس لیے اقبال گراموفون نہیں لا سکے، لیکن انھوں نے نوجوانوں کے لیے ایک تحفہ ضرور بھیجا۔ اپنی ایک نظم جس کا عنوان تھا" جاوید کے نام"۔ یہ نظم خاص اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ اس میں اقبال نے خودی کا پیغام نوجوانوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اقبال یہاں نوجوان نسل کو اپنی ذات کی پہچان، خودی کی بیداری اور عمل کی ترغیب دینے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ علامہ اقبال نظم "جاوید کے نام" کے ذریعے وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ نوجوانوں میں خودی، طاقتِ عمل اور شعور پیدا کرنا کس قدر ضروری ہے، تاکہ وہ اپنی زندگی اور ملت کی بقاو ترقی میں مثبت کردار ادا کر سکیں۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکُوتِ لالہ و گُل سے کلام پیدا کر
اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مِینا و جام پیدا کر
میں شاخِ تاک ہوں، مری غزل ہے میرا ثمر
میرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر![11]

فنونِ لطیفہ میں شعر کو ایک نہایت بلند، مؤثر اور ہمہ گیر مقام حاصل ہے۔ انسانی تہذیب و تمدّن کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ جب انسان نے اپنے باطن کے احساسات، جذبات اور خیالات کو لطیف پیرایۂ اظہار میں ڈھالنے کی کوشش کی تو مختلف فنون نے جنم لیا۔ ان فنون میں مصوری، موسیقی، رقص، خطاطی، بت تراشی اور معماری کو خاص اہمیت حاصل ہوئی، لیکن شعر ان تمام فنون میں اپنی معنوی وسعت، فکری گہرائی اور روحانی تاثیر کے اعتبار سے ممتاز و منفرد قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ دانش نے شعر کو "فنونِ لطیفہ کی روح" اور "موسیقی کی جان" سے تعبیر کیا ہے۔

شعر دراصل انسانی وجدان، تخیّل اور احساس کا ایسا لطیف اور مؤثر اظہار ہے جو محض ظاہری حسن کی نمائش نہیں کرتا بلکہ دل و دماغ دونوں کو بیک وقت متاثر کرتا ہے۔ مصوری آنکھ کو مسرور کرتی ہے، موسیقی سماعت کو محظوظ کرتی ہے اور بت تراشی مادّی حسن کی تجسیم پیش کرتی ہے، مگر شعر ایک ایسا جامع فن ہے جو الفاظ کی موسیقیت، تخیّل کی رنگینی اور فکر کی گہرائی کو یکجا کر دیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ شعر نہ صرف جمالیاتی سرور بخشتا ہے بلکہ انسان کے شعور کو بیدار، جذبات کو مہمیز اور فکر کو جِلا بھی عطا کرتا ہے۔ فنونِ لطیفہ کے تناظر میں شعر کا مقام نہایت بلند ہے اور اسے موسیقی کی جان بھی کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شعر فنونِ لطیفہ جیسے مصوری اور بت تراشی

سے بھی بلند تر ہے، کیوں کہ یہ نہ صرف جمالیاتی حسن پیش کرتا ہے بلکہ فکر اور جذبے کو بھی بیدار کرتا ہے۔ علامہ اقبال خود رقص وموسیقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

شعر سے روشن ہے جانِ جبرئیل و اہرمن
رقص و موسیقی سے ہے سوزو سرورِ انجمن
فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرارِ فن
شعر گویا روحِ موسیقی ہے، رقص اس کا بدن!(۱۲)

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو علامہ اقبال کی شاعری کا گہرائی اور سنجیدگی سے مطالعہ نہیں کرتے، اسی وجہ سے بعض اوقات ان کے افکار وخیالات میں تضاد محسوس کرنے لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے ایک طرف شاعری کو پیغمبرانہ بصیرت سے جوڑا اور دوسری طرف بعض مقامات پر محض شاعری کے روایتی تصور سے اظہارِ بےزاری بھی کیا۔ اس سے متعلق یہ غلط فہمی ذہنوں سے نکال دینی چاہیے کہ اقبال بھی عام شعراء کی طرح محض جذباتی یا رسمی شاعری کرتے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اقبال کا اندازِ فکر اور اُسلوبِ بیان بالکل منفرد ہے۔ وہ نہ تو رسمی شاعر ہیں اور نہ ہی ان کی شاعری محض حسنِ الفاظ تک محدود ہے۔ ان کا کلام مقصد، پیغام اور عمل سے جڑا ہوا ہے۔ اسی غلط فہمی کے ردِّعمل میں علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر کے ذریعے نہایت مؤثر انداز میں احتجاج کرتے ہوئے فرمایا:

نہ بینی خیر از اں مردِ فرو دَست
کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بَست(۱۳)

یہ شکوہ دراصل قوم کی غفلت، فکری جمود اور مقصدِ حیات سے دوری پر ایک درد بھرا احتجاج ہے۔ اقبال یہاں محض شکایت نہیں کرتے بلکہ اپنی ملت کو جھنجھوڑتے ہیں تاکہ وہ اپنی پہچان، خودی اور عملی کردار کی طرف لوٹ آئے۔ اسی طرح ایک اور شعر میں علامہ اقبال اپنی قوم سے شکوہ کرتے ہوئے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

او حدیث دِلبری خواہد زمن
رنگ و آبِ شاعری خواہد زمن
کم نظر بیتابی جانم ندید
آشکارم دید و پنہانم ندید(۱۴)

اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ اقبال کے نزدیک شعر وسُخن کا مقام اتنا پست تھا کہ وہ اس کی نسبت اپنے ساتھ جوڑنا پسند نہ کرتے ہوں۔ درحقیقت اقبال اس تصور کے سخت مخالف تھے کہ شعر، فن اور ادب محض اپنے لیے ہوں۔ ان کے نزدیک شعر برائے شعر، فن برائے فن اور ادب برائے ادب کی کوئی وقعت نہیں، بلکہ شعر، فن اور ادب کا مقصد زندگی کی تعمیر ہونا چاہیے۔ اقبال شعر وادب میں جمود، بےعملی، انتہاپسندی اور تعطل کے قائل نہ تھے، بلکہ وہ ہمیشہ اس کے سرچشمے سے وابستہ رہے۔ وہ شاعری، مصوری اور موسیقی میں ایسے جوہر پیدا کرنا چاہتے تھے جو خودی کی تعمیر اور انسان کی بیداری کا ذریعہ بنیں۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

اقبال کے نزدیک اگر ان فنون میں تعمیرِ خودی کا عنصر موجود نہ ہو تو وہ محض بے معنی مشغلہ بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے فن کو انسانیت کا خادم قرار دیا۔ اقبال کبھی بھی فن برائے فن کے قائل نہیں رہے۔ ان کے نزدیک فن، شاعری اور ادب محض جمالیاتی لذت یا وقتی تسکین کا ذریعہ نہیں بلکہ زندگی کی تعمیر اور انسان کی رہنمائی کا وسیلہ ہیں۔ اقبال کے ہاں فن کی قدر وقیمت اس بات سے متعین ہوتی ہے کہ وہ انسان کے اخلاق، کردار اور فکر کو کس حد تک سنوارتا ہے۔ اگر فن زندگی سے کٹ جائے اور مقصدِ حیات سے بے تعلق ہو جائے تو وہ محض ایک بے روح مشغلہ بن کر رہ جاتا ہے۔

اقبال اس نظریے پر بھی سخت تنقید کرتے ہیں جو مغرب میں فن برائے فن کے نام سے رائج ہوا اور جس کی بنیاد مذہب سے بے نیازی اور الحاد پر ہے۔ ان کے نزدیک ایسا فن انسان کو خودی سے غافل کر دیتا ہے، اسے عمل اور جدوجہد سے دور لے جاتا ہے اور محض احساساتی لذت تک محدود کر دیتا ہے۔ اقبال اس سوچ کو انسانیت کے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں، کیوں کہ اس میں نہ اخلاقی بالیدگی ہوتی ہے اور نہ روحانی ارتقا۔ اسی لیے اقبال کے نزدیک فن اور شاعری کا مقام دین کے تابع ہونا ہے۔ دین ہی وہ معیار فراہم کرتا ہے جو فن کو مقصد، سمت اور معنویت عطا کرتا ہے۔ فن اگر دین کے زیرِ اثر ہو تو وہ انسان کو بیدار کرتا ہے، خودی کو مضبوط بناتا ہے اور معاشرے میں مثبت انقلاب کا سبب بنتا ہے۔ اسی فکر کا اظہار اقبال نے ضربِ کلیم کی نظم ”دین وہنر“ میں کیا ہے، جہاں وہ واضح کرتے ہیں کہ دین سے جدا ہنر محض فریب ہے، جب کہ دین کے ساتھ وابستہ فن زندگی، قوت اور بقا کی ضمانت بن جاتا ہے۔

دین وہنر

سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر
گُہر ہیں ان کی گِرہ میں تمام یک دانہ
ضمیرِ بندۂ خاکی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا کاشانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عینِ حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فُسون و افسانہ
ہُوئی ہے زیرِ فلک اُمتوں کی رُسوائی
خُودی سے جب اَدب و دِیں ہُوئے ہیں بیگانہ [۱۵]

اقبال کی شاعری، شعر اور فن ایک ایسے جامع نظریۂ حیات کی ترجمان ہیں جو انسان کو اس کی ذات، خدا اور خودی کے اسرار ورموز سے آگاہ کرتے ہیں۔ ان کا کلام انسان کو محض غور وفکر تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اسے اس بلند مقام تک پہنچنے کی ترغیب دیتا ہے جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کو پہچان کر کائنات کی تسخیر کے قابل ہو جاتا ہے۔

اقبال کے نزدیک انسان کی عظمت اسی شعورِ خودی میں پوشیدہ ہے جو اسے مقصدِ حیات اور عملی جدوجہد سے جوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی شاعری اگرچہ مقصدی اور نظریاتی ہے، مگر اس کی فنی اور جمالیاتی قدر وقیمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی،

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

بلکہ یہ پہلو اسے اور زیادہ بلند اور مؤثر بنا دیتے ہیں۔ ان کے ہاں حسنِ فن اور بلندیِ فکر باہم ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک حقیقی شعر وہی ہے جس میں خلوص کی حرارت، لگن کی شدت، عمل کی قوت اور مسلسل حرکت کا جذبہ موجود ہو، کیوں کہ ایسی شاعری ہی فرد اور قوم دونوں کی زندگی میں انقلاب برپا کر سکتی ہے۔

علامہ اقبال نے اُن شعرا پر شدید تنقید کی ہے جن کی شاعری محض عشقیہ جذبات، جسمانی حُسن، زلف ورخسار اور ظاہری دلکشی کے محدود مضامین تک سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ اقبال کے نزدیک ایسی شاعری نہ انسانی فکر کو جِلا بخشتی ہے، نہ کردار سازی میں معاون ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی ملت کے اجتماعی شعور کو بیدار کرتی ہے۔ وہ شعر کو ایک عظیم فکری اور حیات آفریں قوت سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک وہ شاعری بے مقصد اور کمزور ہے جو انسان کو عمل، خودی اور شعورِ حیات کی طرف مائل کرنے کے بجائے محض جذباتی اور نفسانی کیفیتوں میں اُلجھا دے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ شاعری انسان کے باطن میں حرکت، حوصلہ اور بیداری پیدا کرے اور قوموں کی فکری واَخلاقی تعمیر میں مؤثر کردار ادا کرے۔ ان کا خیال ہے کہ جب شعر صرف ظاہری حسن اور وقتی لذت کا اَسیر ہو جائے تو وہ اپنے مقصد سے ہٹ جاتا ہے۔

اسی تناظر میں اقبال نے ان مضامین کی بھرپور وضاحت اور تنقید اپنے اشعار کے ذریعے کی ہے، جو نہ صرف ان کے فکری شعور کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ شاعری کے حقیقی مقصد کو بھی واضح کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ان چند اشعار کو:

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا
ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار
چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقامِ بلند
کرتے ہیں رُوح کو خوابیدہ، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ ہے عورت سوار!(۱۶)

مطلب یہ ہے کہ ایسے فنکاروں اور ادیبوں کے افکار وتصورات درحقیقت عشقِ حقیقی اور حیات بخش مستی کے خاتمے کا اعلان بن جاتے ہیں۔ ان کی تاریک فکر میں قوموں کے مزار تعمیر ہو چکے ہیں، کیوں کہ جو خیالات وہ پیش کرتے ہیں وہ حقیقی زندگی کی رُوح سے خالی اور قومی حیات کو مضمحل کرنے والے ہیں۔ ان کے ہاں فن زندگی کو بیدار کرنے کے بجائے اسے بے حس اور بے عمل بنا دیتا ہے۔

ہندوستان کے بعض شاعر، مصور اور افسانہ نگار اپنے کلام، تصویروں اور افسانوں میں ایسے تخیلات پیش کرتے ہیں جن کے نتیجے میں قوتِ عمل افسردہ بلکہ مردہ ہو جاتی ہے۔ ان کا فن زندگی اور اس کے حقیقی مسائل سے کٹا ہوا ہے۔ یہ فن کار انسان کی نگاہ سے بلند مقاصد اور اعلیٰ مقامات اوجھل کر دیتے ہیں، رُوح کو سلا دیتے ہیں اور محض جسمانی خواہشات کو بیدار کرتے ہیں۔ یوں روحانی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے اور نفسانی جذبات کو غیر معمولی تقویت ملتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ ایسے فن کار نوجوانوں کو زندگی کے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

اعلیٰ اور باوقار راستوں سے ہٹا کر پستی اور ذلت کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد اخلاقِ حسنہ اور پاکیزہ صفات کو مٹا دینا اور ان کی جگہ جنسی خواہشات کو فروغ دینا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ادب اور فن میں عورت محض ایک جسمانی شے بن کر سامنے آتی ہے، جہاں شاعری کا محور عورت کے جسمانی خدوخال کی تصویر کشی تک محدود ہو جاتا ہے اور مشاعروں میں اسی نوع کے اشعار پر داد و تحسین بھی دی جاتی ہے۔

ان فنکاروں کے اعصاب پر گویا عورت سوار رہتی ہے اور وہ عورت کی تصویر اور کردار کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ دیکھنے اور پڑھنے والوں کی نفسانی خواہشات بھڑک اٹھتی ہیں۔ اقبال کے نزدیک ایسا فن نہ انسان کی تعمیر کرتا ہے اور نہ قوم کی، بلکہ یہ روح کو کمزور اور کردار کو کھوکھلا کر کے اجتماعی زوال کا سبب بنتا ہے۔ علامہ اقبال یہ چاہتے ہیں کہ شعرا حقیقت نگاری سے گہری واقفیت رکھیں اور اپنی خودی کی حفاظت کریں۔ ان کے نزدیک جب تک شاعروں اور عام لوگوں میں یہ شعور بیدار نہیں ہوگا، اس وقت تک شعر وشاعری نہ ملک کے لیے زندگی بخش ثابت ہو سکتی ہے اور نہ قوم کے لیے باعثِ وقار بن سکتی ہے۔ اقبال اس شاعری کے سخت مخالف ہیں جو انسان کو سستی، کاہلی، خودی سے غفلت اور دین سے دوری کی طرف لے جائے۔ اقبال ایسی شاعری کے خواہاں ہیں جو حقیقت پر مبنی ہو، زندگی کے عملی اسباق سکھائے اور انسان کو فکری واخلاقی بلندی عطا کرے۔ ان کے نزدیک وہ شعر جو زندگی میں حرکت، بیداری اور تازگی پیدا نہ کرے، محض بے مقصد کلام ہے۔ اسی لیے وہ ایسی بادِ سحر کو بھی بے معنی سمجھتے ہیں جس کے جھونکے چمن میں شگفتگی، تازگی اور نمو پیدا نہ کر سکیں۔ اسی فکری تناظر میں مولانا ابوالحسن علی ندوی علامہ اقبال کے نظریۂ شعر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقبال کا نظریۂ شعر وادب دنیائے علم وفن میں ایک ہمہ گیر اور انقلابی نظریہ تھا۔ یہ محض ادبی رجحان نہیں بلکہ ایک فکری تحریک تھی جس نے شعر وادب کے مقصد، سمت اور رُوح کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور میں اس عظیم کام کے لیے ایک ایسی شخصیت کو منتخب کیا جس نے قدیم وجدید فلسفے، مشرق ومغرب کے افکار، اور ادب وفن کا نہایت گہرا اور متوازن مطالعہ کیا تھا۔ اقبال اسی ہمہ گیر علمی بصیرت کی بدولت اپنے عہد کے فکری انتشار کا جواب بن کر سامنے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اقبال کو اسلام کے عالمگیر اور آفاقی پیغام کی ترجمانی کے لیے منتخب فرمایا اور اقبال نے اس پیغام رسانی کے لیے شعر وادب کی زبان کو اختیار کیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ادب کی زبان محض عقل کی نہیں بلکہ ذوق وضمیر کی زبان ہوتی ہے، جو مضطرب وجدان، سوزِ دروں اور قلبی کیفیتوں کی مؤثر ترجمان بنتی ہے۔ اقبال نے اسی زبان کے ذریعے دلوں کو مخاطب کیا، فکر کو بیدار کیا اور روح میں حرکت پیدا کی۔ اقبال نے شعر وادب کو غیر معمولی حد تک متاثر کیا اور اسے محض جمالیاتی اظہار سے نکال کر ایک زندہ، متحرک اور مقصدی قوت بنا دیا۔ ان کی شاعری نے اردو ادب میں ایک نئے مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی، جس میں خودی، عمل، ایمان، حریت اور زندگی کی تعمیر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یوں اقبال نہ صرف ایک عظیم شاعر بلکہ ایک فکری معمار ثابت ہوئے، جن کا پیغام آج بھی انسان کو اس کی پہچان اور بلند مقصد کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔"(۱۷)

یوں علامہ اقبال کی شاعری محض ادبی اظہار نہیں بلکہ ایک فکری، روحانی اور تہذیبی مشن کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے شعر کو قوم کی تقدیر بدلنے کا وسیلہ بنایا اور ادب کو حیاتِ انسانی کی تعمیر کا ہتھیار قرار دیا۔ اقبال کے نزدیک شاعر کا فریضہ یہ ہے کہ وہ انسان

کو اس کی حقیقت سے روشناس کرائے، اسے خودی کی پہچان دے اور عمل، جدوجہد اور یقین کی راہ پر گامزن کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کا پیغام زماں و مکاں کی قیود سے ماورا ہو کر آج بھی زندہ، مؤثر اور رہنما ہے۔

اقبال کا نظریۂ شعر و ادب ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ادب اگر زندگی سے جڑا نہ ہو تو وہ بے روح ہو جاتا ہے اور اگر وہ ایمان، خودی اور حقیقت کا آئینہ بن جائے تو قوموں کی تقدیر سنوار سکتا ہے۔ یہی اقبال کی عظمت کا راز ہے اور یہی ان کا وہ فکری ورثہ ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے بھی مشعلِ راہ بنا رہے گا۔ علامہ اقبال کے نظریۂ شعر و ادب کو سمجھنے کے لیے یہ اشعار بھی نہایت اہم اور قابلِ غور ہیں، کیوں کہ ان میں اُنھوں نے شاعری کے مقصد، خودی، فکر اور عمل کی اہمیت کو جامع انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ اشعار محض فنی حسن نہیں بلکہ فِکر و فلسفہ، اخلاق و عمل اور قوم کی بیداری کے لیے رہنما اصول بھی پیش کرتے ہیں۔

علامہ اقبال کے نظریۂ شعر میں تین بنیادی ستون نمایاں ہیں: مقصدیت، خودی اور حیاتِ انسانی۔ ان کے نزدیک شاعری صرف الفاظ کا کھیل، خوش نمائی یا محض ذوقِ جمال کا اظہار نہیں، بلکہ ایک زندہ اور فعال وسیلہ ہے جو انسان کے ضمیر کو بیدار کرتا، اس کے دل میں جوش اور عمل کی تحریک پیدا کرتا اور اسے اس مقام تک پہنچنے کی ترغیب دیتا جہاں وہ اپنی ذات کی پہچان اور کائنات پر اثر رکھنے کی صلاحیت حاصل کر سکے۔ اِقبال کے نزدیک ہر شعر، ہر مصرع اور ہر فنی اظہار کا مقصد انسان کو خودی، فکر اور عمل کی راہ پر گامزن کرنا ہونا چاہیے۔

اقبال یہ واضح کرتے ہیں کہ شعر اور ادب اگر صرف اپنی فنی خوبصورتی یا لذت کے لیے ہوں، اگر حقیقت، مقصدیت اور عمل کی ترغیب سے خالی ہوں، تو وہ محض ایک بے جان مشغلہ بن کر رہ جاتے ہیں، جو نہ فرد کی بیداری کا سبب بنتا ہے اور نہ قوم کی تقدیر میں کوئی روشنائی پیدا کرتا ہے۔ جب کہ اگر شعر حقیقت، مقصدیت اور خودی کے ساتھ جڑا ہو، تو یہ انسان اور قوم دونوں کے لیے روشنی، ہمت اور روحانی قوت کا باعث بنتا ہے۔ اسی وجہ سے اقبال کی شاعری نہ صرف ادبی معیار کے لحاظ سے بلند ہے بلکہ فکری، اخلاقی اور عملی لحاظ سے بھی بے مثال حیثیت رکھتی ہے۔

اقبال کی شاعری میں اخلاق، دین، خودی اور فکر و عمل کی ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ وہ شعراء اور فنکاروں کو یہی درس دیتے ہیں کہ فن کا مقصد انسان کی تربیت، قومی بیداری اور زندگی کے اعلیٰ اصولوں کی ترویج ہونا چاہیے۔ اِسی تصور کے تحت اقبال نے شعر واَدب کو محض ذوق و جمال کے لیے نہیں بلکہ قوم کی حیات، انسانی بقا اور اَخلاقی و عملی ترقی کے لیے استعمال کیا۔ یوں اقبال کا نظریۂ شعر آج بھی اپنی معنویت اور اثر انگیزی برقرار رکھتا ہے۔ ان کا کلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ حقیقی شعر وہ ہے جو انسان کی خودی کو جگائے، اس کے فکر و عمل کو متحرک کرے اور اسے زندگی کی حقیقی منزل کی جانب گامزن کرے۔ یہی اقبال کی شاعری کی عظمت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کا پیغام وقت اور نسلوں کی قید سے آزاد، ہمہ گیر اور ازلی اہمیت کا حامل ہے۔

علامہ اقبال کا نظریۂ شعر محض ایک ادبی نظریہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری نظام ہے جو انسان کی شخصیت سازی، اخلاقی تربیت اور فکری بیداری سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس مقالے کے مطالعے سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ اقبال کے نزدیک شعر کا مقصد انسان کو مقصدِ حیات سے آگاہ کرنا، اس کی خودی کو بیدار کرنا اور اسے عمل، جدوجہد اور حرکت کی طرف مائل کرنا ہے۔

"مقصدیت" کے تحت شاعری کو ایک اصلاحی اور تعمیری قوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کی فکری و عملی تشکیل کرتی ہے۔ "خودی" کا تصور انسان کو اس کی داخلی قوت، خود آگاہی اور خود اعتمادی کا شعور دیتا ہے، جو اسے احساسِ کمتری سے نکال کر ایک فعال اور باوقار وجود میں ڈھالتا ہے۔ اسی طرح "حیاتِ انسانی" کا پہلو اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ انسان ایک محض مادی وجود نہیں بلکہ ایک بامقصد، بامعنی اور روحانی و تخلیقی صلاحیتوں سے بھرپور ہستی ہے جس کا مقصد کائنات میں ایک اعلیٰ ترنصب العین کا حصول ہے۔ یوں اس مقالے کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ اقبال کا نظریۂ شعر انسان کو فکری جمود سے نکال کر حرکت، خودی اور بامقصد زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ادب کو ایک زندہ، مؤثر اور اصلاحی قوت کے طور پر متعارف کراتا ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کی فکری تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عبدالواحد معینی / عبداللہ قریشی (مرتب)، اقبال کی ایک تقریر کابل میں، مشمولہ: مقالات اقبال، القمر انٹرپرائزز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۲۵۹

۲۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پروفیسر (مرتب)، جاوید نامہ (شرح کلیاتِ اقبال فارسی)، مکتبہ دانیال، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۸۳۴

۳۔ محمد اقبال، بال جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۳۵۶

۴۔ عبدالمغنی، پروفیسر، ڈاکٹر، مولانا مودودی کی ادبی خدمات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۲۹

۵۔ محمد اقبال (مترجم) / وحید عشرت، ڈاکٹر، تجدیدِ فکریاتِ اسلام، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۲ء، ص ۵۷

۶۔ عبدالواحد معینی / عبداللہ قریشی (مرتب)، اقبال کی ایک تقریر کابل میں، مشمولہ: مقالات اقبال، ص ۲۶۰

۷۔ محمد اقبال، بال جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۶۴۴

۸۔ محمد اقبال، فنونِ لطیفہ، مشمولہ: ضرب کلیم، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص ۴۸۵

۹۔ محمد اقبال، بانگ درا، مشمولہ: کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص ۱۲۷

۱۰۔ محمد اقبال، بال جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص ۳۵۳

۱۱۔ محمد اقبال، جاوید کے نام، مشمولہ: کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص ۴۷۷

۱۲۔ محمد اقبال، رقص و موسیقی، مشمولہ: کلیات اقبال (اُردو)، ص ۶۴۴

۱۳۔ اقبال احمد خان، ڈاکٹر، تسہیل کلام اقبال، مشمولہ: زبور عجم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۴۷۴

۱۴۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پروفیسر، پیام مشرق (شرح کلیاتِ اقبال فارسی)، ص ۲۷۷

۱۵۔ محمد اقبال، دین وہنر، مشمولہ: کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص ۶۱۲

۱۶۔ محمد اقبال، ہنروارانِ ہند، مشمولہ: کلیات اقبال (اُردو)، ص ۶۴۰

۱۷۔ ابوالحسن علی ندوی، سید، روائع اقبال، مترجم: مولوی شمس تبریز خاں، مشمولہ: نقوشِ اقبال، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، طبع ہفتم، ۱۹۹۴ء، ص ۱۰۳۔۱۰۴

References in Roman Script:

1. Mu'eeni, Abdul Wahid, and Abdullah Qureshi (eds.), Iqbal ki Aik Taqreer Kabul Mein, In Maqalat-e-Iqbal, Lahore: Al-Qamar Enterprises, 2011, p. 259
2. Hashmi, Hameedullah Shah (ed.). Javid Nama, Sharh Kuliyat-i-Iqbal Farsi, Maktaba Danyal, Lahore, 2015, p. 834
3. Iqbal, Muhammad, Bal-e-Jibril, In Kuliyat-i-Iqbal, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2018, p. 356
4. Abdul Mughni. Maulana Maududi ki Adabi Khidmat, Markazi Maktaba Islami Publishers, New Delhi, 2013, p. 129
5. Iqbal, Muhammad, trans, Waheed Ishrat, Tajdid-i-Fikriyat-i-Islam, Iqbal Academy, Lahore, Pakistan, 1st ed., 2002, p. 57
6. Mu'eeni, Abdul Wahid, and Abdullah Qureshi (eds.), Iqbal ki Aik Taqreer Kabul Mein, In Maqalat-i-Iqbal, p. 260.
7. Iqbal, Muhammad, Bal-i-Jibril, In Kuliyat-i-Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, Pakistan, 2018, p. 644
8. Iqbal, Muhammad, Funun-i-Latifah, In Zarb-i-Kalim, Kuliyat-i-Iqbal (Urdu), p. 485
9. Iqbal, Muhammad, Bang-i-Dara, In Kuliyat-i-Iqbal (Urdu), p. 127
10. Iqbal, Muhammad, Bal-e-Jibril, In Kuliyat-i-Iqbal (Urdu), p. 353
11. Iqbal, Muhammad, Javid ke Nam, In Kuliyat-i-Iqbal (Urdu), p. 477
12. Iqbal, Muhammad, Raqs-o-Musiqi, In Kuliyat-i-Iqbal (Urdu), p. 644
13. Khan, Iqbal Ahmad, Tas'hil-i-Kalam-i-Iqbal, In Zabur-i-Ajam, Iqbal Academy, Lahore, Pakistan, 2000, p. 474.
14. Hashmi, Hameedullah Shah. Payam-i-Mashriq (Sharh Kulliyat-i-Iqbal Farsi), p. 277
15. Iqbal, Muhammad, Din-o-Hunar, In Kuliyat-i-Iqbal (Urdu), p. 612
16. Iqbal, Muhammad, Hunarwaran-i-Hind, In Kuliyat-i-Iqbal (Urdu), p. 640
17. Nadwi, Syed Abul Hasan Ali. Rawa'i-i-Iqbal, Translated by Maulvi Shams Tabrez Khan, In Nuqush-i-Iqbal, Majlis-i-Tahqiqat wa Nashriyat-i-Islam, 7th ed., Lucknow, 1994, p. 103-104

Dr. Talib Hussain Hashmi is a Postdoctoral Fellow at the Islamic Research Institute, International Islamic University Islamabad, Pakistan, and an Adjunct Assistant Professor of Urdu at MY University, Islamabad. He earned his PhD from Allama Iqbal Open University, Islamabad. Dr. Hashmi has published twenty-six research articles in HEC recognized Y-category Journals, three books and has presented papers at ten international conferences. His scholarly contributions have been recognized with several awards, including the Hakim-ul-Ummat Award, Allama Iqbal Gold Medal, and Mehkan Literary Award (2024). His research interests include Urdu research and editing, Iqbal Studies, and literary criticism. He has contributed to significant research projects on Allama Iqbal's works and

thought. Dr. Hashmi also serves as President of the District Jhelum Branch of Bazm-e-Fikr-e-Iqbal and is a member of the Iqbal Academy Pakistan, Lahore.

Mrs. Asia Parveen is a PhD Scholar in the Department of Urdu at Al-hamd Islamic University (Islamabad Campus), Pakistan and serving as a Lecturer Urdu, Govt. Graduate College Attock. She completed her MPhil in Urdu from Northern University, Nowshera. Her research interests include Urdu linguistics and Iqbal Studies. She has published two research articles in reputable academic journals.